ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ماخذ تحقیقی مجلہ

مدثر اقبال

پی ایچ ڈی اسکالر (اردو)، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر سید عون ساجد نقوی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، وفاقی اردو یونی ورسٹی، اسلام آباد

ضلع گجرات میں اردو ناول نگاری کا ارتقا

Mudassar iqbal
Ph.D Scholar (Urdu) Federal Urdu University, Islamabad.
Dr. Syed Aoun Sajid Naqvi
Assistant Professor, Urdu department Federal Urdu University, Islamabad.

The Evolution of Urdu Novel Writing In District Gujrat

The region has spawned grandchildren who have made significant strides in all walks of life in Gujrat. The leaven of the shining stars of our scientific and literary world has risen from this soil. Gujrat is a city of grace and perfection. Here in every era such great scholars were born who raised the flag in the field of writing and creation. The people of Gujrat wrote on every subject of science and literature. Hundreds of books have been published on topics such as poetry, novels, and fiction. Abdullah Hussain's sad generations and Aslam Rahi's historical novels are second to none in novel writing. Apart from this, Mustansir Hussain's novel writing has also ignited the minds of the readers of literature. Gujrat novelists are shining as bright stars in the sky of literature.

Key Words: *Abdullah Hussain, Mustansar Hussain, Aslam Rahi, Novel, Fiction.*

خطہ گجرات نے زندگی کے ہر میدان میں کارہائے نمایاں سر انجام دینے والے سپوتوں کو جنم دیا۔ ہماری علمی و ادبی دنیا کے درخشندہ ستاروں کا خمیر اسی مٹی سے اٹھا ہے۔ گجرات اہل فضل و کمال کی بستی ہے۔ یہاں ہر دور میں ایسے اکابرین علم پیدا ہوئے جنھوں نے تصنیف و تخلیق کے میدان میں جھنڈے گاڑے۔ اہل گجرات نے علم و ادب کے ہر موضوع پر قلم اٹھایا۔ شاعری، ناول، افسانہ جیسے موضوعات پر سینکڑوں کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ناول

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

نگاری میں عبد اللہ حسین کی اداس نسلیں اور اسلم راہی کے تاریخی ناول اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ مستنصر حسین کی ناول نگاری نے بھی ادب کے قارئین کے اذہان کو جلا بخشی ہے۔ گجرات کے ناول نگار آسمان ادب پر درخشندہ ستارے بن کر چمک رہے ہیں۔

ناول (Novel) اطالوی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے نرالا، انوکھا، عجیب یا نیا۔ یہ اطالوی سے انگریزی زبان میں اور انگریزی ادب کے توسط سے اردو میں وارد ہوا ہے۔ ناول سے مراد وہ نثری حصہ یا کہانی ہے جس میں کسی خاص نقطہ نظر کے تحت انسانی زندگی کی حقیقتوں کی عکاسی کی گئی ہو۔ ناول کا مرکزی کردار ہیرو کہلاتا ہے جس کے توسط سے ہم کائنات کی حقیقتوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ناول میں حیات مستعار کے کئی روپ پیش کئے جاتے ہیں۔

محمد افضال بٹ اپنی کتاب "اردو ناول میں سماجی شعور" میں رقمطراز ہیں

> "ناول جدید عہد کا عکاس تھا، وہ براہِ راست زندگی کی حقیقتوں سے نبرد آزما ہوا، سماج کی ترقی اور بہتری کیلئے وسیلہ بنا، ناول نے اس عہد کے سماج میں ایک نئی روح پھونکی اور مادی حقائق، سماجی شعور، قومی آزادی، مساوات وغیرہ کے پیغامات عوام تک پہنچائے۔" [۱]

ناول میں فنی اعتبار سے چند چیزوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ نمبر ایک کہانی کا منطقی ترتیب اور تدریجی ارتقاء لازمی جزو ہیں۔ دوسری چیز اس کہانی کا پلاٹ ہوتا ہے۔ پلاٹ سے مراد کہانی کا سرسری خاکہ ہے جو ناول نگار، کہانی کی ابتداء یا آغاز، واقعات کی ترتیب، اتار چڑھاؤ اور اس کے اختتامیے کے بارے میں اپنے ذہن میں ترتیب دیتا ہے کہ کس طرح اس کہانی کو آگے بڑھانا، کلائمیکس پر پہنچانا اور اختتام کرنا ہے۔ ناول میں کردار اہم حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ناول نگار کردار کا انتخاب کرتا ہے۔ جتنا کردار مضبوط ہوگا اتنا ہی ناول کامیابی کی طرف تیزی سے بڑھے گا۔ اگر کردار بے جان یا بُھس بُھسا ہوگا تو ناول کامیاب نہیں ہوگا۔ ناول نگار کا طرزِ فکر، طرزِ تحریر اور اسلوبِ بیان ناول پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی ناول کے فنی عناصر پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ناول میں انسان کے معاشرتی، سیاسی، اقتصادی، مذہبی، تعلیمی، ازدواجی اور تہذیبی زندگی کی تصویر کشی کی جاتی ہے، یعنی انسان کے مشاہدات، تجربات، خیالات اور افکار و نظریات کی آمیزش سے ایک ناول کا خمیر تیار ہوتا ہے، ناول نگار چونکہ بذات خود خیالات و محسوسات کا

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

مرکز ہوتا ہے، چنانچہ وہ بیک وقت دو کام سر انجام دیتا ہے، ایک عوامی زندگی کے حالات و واقعات کی منظر کشی اور دوسری اپنے مقصد، نظریہ اور شخصیت کی تصویر کشی۔" (۲)

اگر ناول نگار کا ناول لکھنے کا مقصد واضح ہو تو ناول کی کامیابی یقینی بن جاتی ہے اور اس کی کامیابی کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔ ناول میں جتنی سادہ زبان حالات واقعات کے مطابق اور موقع محل کے مطابق استعمال ہوگی اس کا اسلوب اُتنا ہی متاثر کن ہو گا اور ناول کی مقبولیت میں اضافے کا باعث ہو گا۔ ناول نگاری میں ایک اور اہم بات منظر نگاری اور منظر کشی ہے۔ مختلف قسم کی رنگارنگ معاشرتی تقاریب دلکش اور رنگارنگ پروگرام سے ناول کی رنگینیاں بڑھ جاتی ہیں اور قاری میں انہاک اور دلچسپی پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں، جن سے ناول کی شہرت میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔

ناولوں کے فنی لوازمات اور عناصر میں قصہ، پلاٹ، کردار، مکالمہ، منظر نگاری، اسلوب، وقت اور مقام کے تعین، نقطہ نظر اور نصب العین کو شامل کیا گیا ہے، ناول میں عموماً ابتداء ہی سے کش مکش کا آغاز ہوتا ہے، پھر یہ نقطہ عروج پر پہنچتا ہے اور اختتام پر ناول نویس کا مقصد سامنے آجاتا ہے۔ ڈاکٹر صغیر افراہیم کہتے ہیں:

"اس صنف میں زبان و بیان کی اہمیت پر بھی خاصا زور دیا جاتا ہے، ناول میں تخیل کو کم اور انسانی جذبات و احساسات اور افکار کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے ناول نفسیاتی گتھیوں کو سلجھا کر انسانی ذہن اور کردار کے مطالعے میں مددگار ہوتا ہے اس میں فرسودہ رسوم پر طنز محنت کشی اور سرمایہ دار کی کشمکش اور معاشرے کی حقیقی تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔"(۳)

اردو ناول نگاری میں عبدالحلیم شرر، مرزا ہادی رسوا، علامہ راشد الخیری، ڈپٹی نذیر احمد، ڈاکٹر احسن فاروقی، قرۃ العین حیدر، نیر سلطانہ، بانو قدسیہ، شوکت صدیقی، نسیم حجازی، اسلم راہی، قدرت اللہ شہاب، انتظار حسین، عصمت چغتائی، ممتاز مفتی، صدیق سالک، عبداللہ حسین (گجرات)، انیس ناگی، فریحہ مستور، انور سجاد، رحیم گل وغیرہ کے نام بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ گجرات کے معروف ناول نگاروں میں اسلم راہی ایم اے، عبداللہ حسین، بریگیڈئیر صدیق سالک، پروفیسر زبیر کنجاہی، فخر زمان، ثریا شمع ملک، ڈاکٹر جاوید سوز، مستنصر حسین تارڑ (آبائی شہر گجرات) اور دیگر شامل ہیں۔

پاکستان کے معروف ناول نگار عبداللہ حسین کا تعلق گجرات سے ہے۔ بزم اقبال کے ادبی حلقوں سے آغاز کیا اور ملک کے معروف ناول نگار گردانے گئے۔ وہ ادبی حلقوں میں معتبر حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کے مشہور

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ناولوں میں " اداس نسلیں" کو آدم جی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ باگھ، نادار لوگ کی اشاعت سے خوب داد سمیٹی۔ اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں ۲۰۱۲ء میں کمال فن ایوارڈ دیا گیا۔ عبد اللہ حسین ایسے ناول نگار ہیں جو مجرد افکار کو کہانی کی صورت میں ڈھالنے کا فن خوب جانتے ہیں۔ انہوں نے ادب کو اپنے عہد جمالیات، آدرشوں، عام انسانی اندیشوں اور دم توڑتی امیدوں کے اظہار وانکشاف کا ذریعہ بنایا ہے۔ انسانی سماجیات سے ان کی گہری دلچسپی ہے، وہ انسانی فطرت کی بُو قلمونیوں آس کی جذباتی، رومانی کشمکش اور انسانی نفسیات کا باریک بینی سے مشاہدہ کرتے ہیں، وہ عام سیاسی سماجی کرداروں کو ادبی اور تاریخی اہمیت کے قابل بنا دیتے ہیں۔ عبد اللہ حسین کے ہاں فرد کی آزادی کی حدود کا تعین اہم مسئلہ ہے۔ انہوں نے تجربات کو خالص اور حسی طریقے سے پیش کیا ہے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ :

" تاریخ کا مطالعہ سیاسی شور پیدا کرنے کے لئے از حد ضروری ہے، اور ہمیں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں، جب قومیں تاریخ کے علم کی کمی کی وجہ سے سیاسی جدوجہد ہار گئیں۔ " (۴)

"اداس نسلیں" ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔ ناول کا آغاز ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے ہوتا ہے۔ اصل کہانی جنگ عظیم سے شروع ہو کر قیام پاکستان پر ختم ہوتی ہے۔ ناول میں پنجاب کے گاؤں کا عکس ملتا ہے۔ اس میں سیاسی جدوجہد اور عوام کی بے چینی عیاں ہے۔ درج ذیل اقتباس سے سیاسی و سماجی شعوری پختگی کا احساس ملتا ہے۔

"میں چاہتا ہوں، کہ ہندوستان اپنی طاقت اور قوت کا احساس رکھتے ہوئے، عدم تشدد کو اختیار کرے۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ وہ یہ جانے کہ وہ اپنے اندر ایک ایسی روح رکھتا ہے، جو تباہ نہیں ہونا چاہتی اور جو ہر انسانی کمزوری پر غالب آسکتی ہے۔ " (۵)

سیاسی و سماجی شعور کی غمازی کرنے والا ایک اور اقتباس درج ذیل ہے۔

"ہندوستان کتنا بڑا ملک ہے، اس میں کتنے جاگیر دار، کتنے مالک اور کتنے نوکر ہیں، اس کا ہمیں کوئی اندازہ نہیں۔ ہم چند آدمی غاروں میں چھپ کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، یہ درندوں کی زندگی اور درندوں کی جگہ ہے۔ ہم اپنے والدین کی نسبت بدتر زندگی بسر کر رہے ہیں، انہوں نے محنت کی اور خاموش رہے۔ بڑی خاموشی، بڑی طاقتور جنگ۔ ہم نہ محنت کرتے ہیں نہ جنگ کرتے ہیں، محض چوری کرتے ہیں۔ " (۶)

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

پورے ناول کی سیاسی فضا اس نکتے میں سمٹ آئی ہے کہ تاریخ کے مرحلوں سے گزرتے ہوئے اکثر اوقات تاریکی انسان کا مقدر بن جاتی ہے۔ڈاکٹر ممتاز احمد خاں نے اس حوالے سے ٹھیک کہا ہے کہ

"تاریکی اور معدومیت باقی کرداروں کا مقدر نہیں۔ صرف نعیم اپنے اس انجام کو پہنچتا ہے۔"(۷)

پروفیسر اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں کہ:

"ناول کا موضوع نعیم کی انا کا سفر ہے۔اس سفر کے دوران مختلف مرحلوں پر شکست وریخت تحلیل اور شیرازہ بندی کا جو عمل سامنے آتا ہے یادوں کے جو ریلے تحت الشعوری سطح پر سے گزرتے ہیں شخصیت کا مرکزی نقطہ سیاسی وسماجی حالات میں تغیر و تبدل سے جس طرح اثر پذیر ہوتا ہے اس کے توازن کو درہم برہم کرنے کے جو عوامل اور حوادث ذمہ دار ہوئے ان سب حقائق کی مختلف جہتوں سے ہم نعیم کے ذریعے ہی آگاہی حاصل کرتے ہیں۔" (۸)

عبداللہ حسین کے دوسرے مشہور ناول نادار لوگ میں بھی سیاسی وسماجی رجحانات کے واضح نقوش دیکھے جاسکتے ہیں۔

"پاکستان کے دو ٹکڑے کیونکر ہوئے؟ وہ کونسی وجوہات تھیں، جن کی بناء پر پاکستانی فوج کو مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے پڑے، ان وجوہات کا تعین کرنے کے لئے انکوائری کمیٹی مقرر کی گئی۔ اپنی تفتیش اور تحقیق کے نتیجے میں کمیشن اس فیصلے پر پہنچا کہ یہ محض ایک عسکری شکست نہ تھی، بلکہ ایک عظیم سیاسی اور اخلاقی ہار تھی۔" (۹)

ایک دوسری جگہ عبداللہ حسین لکھتے ہیں:

"یہ کون لوگ ہیں جو ہمارے علاقہ کی متروکہ زمینوں پر آکر قابض ہوگئے ہیں، ان ناجائز قبضہ جات کے ذمہ دار کون ہیں، میں آپ کو بتاتا ہوں، اس حق تلفی کے ذمہ دار وہ حکومتی کارندے ہیں، جنھوں نے سونا اگلنے والی زمین بڑے استحصالی زمینداروں کو عنایت کی ہے، لیکن جو محنت کش اپنے خون پسینے سے یہ سونا اگاتے ہیں، وہ کل بھی غریب کسان اور کھیت مزدور تھے اور آج بھی غریب کسان اور کھیت مزدور ہیں۔" (۱۰)

ISSN(Print): 2709-9636 | ISSN(Online): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ڈاکٹر جاوید زمان سوز سوسائٹی کی غلط روشوں سے بھرے ماحول سے حقیقت پسندانہ نگاہوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ زندگی اور اُس کی حقیقتوں کے بارے میں کافی مشاہدہ رکھتے ہیں۔ ارد گرد کے ماحول سے مشاہدہ کے ذریعے نتائج اخذ کرنا اور انہیں کہانی کے روپ میں ڈھالنا اُن کی بہت بڑی خوبی ہے۔ ڈاکٹر جاوید زمان سوز کا ناول "پھول چنتی رہی" پہلی دفعہ ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا۔ یہ ایک المیہ ناول ہے۔ اس میں ایسی زندگی کروٹ لیتی نظر آتی ہے جو بیشتر انسانوں کے قلبی انتشار، ذہنی ہیجان اور فطری رجحان کی نمائندگی کرتی ہے۔ ڈاکٹر جاوید زمان نے زندگی کی سسکتی ہوئی قدروں اور بلکتے ہوئے زاویوں کی ترجمانی بڑے بھرپور انداز میں کی ہے۔

> "عورت بیٹی کے روپ میں مجسم فرمانبرداری، بہن کے روپ میں مجسم خلوص، ماں کے روپ میں مجسم ممتا، بیوی کے روپ میں مجسم ہمدردی اور ایثار، محبوبہ کے روپ میں مجسم محبت ہوتی ہے اور جب اس کا گوشت بیچنے کے لئے بازاروں میں لایا جاتا ہے، تو اسے رنڈی کا لقب دے کر چکلوں پر بٹھایا جاتا ہے تو وہی بہن، وہی بیٹی، وہی ماں، وہی بیوی، وہی محبوبہ مجسم شیطانیت اور بے حیائی بن جاتی ہے۔" (۱۱)

ایک دوسری جگہ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

> "زندگی کے آغاز اور انجام میں کتنا فرق ہے رات اور دن کا، خزاں اور بہار کا، دھوپ اور چھاؤں کا، مشرق اور مغرب کا۔ میری زندگی کا آغاز بہاروں سے شروع ہوا اور خزاں پر جا کر ختم ہو گیا۔" (۱۲)

اسلم راہی نہ صرف گجرات بلکہ ملک بھر کے معروف لکھاریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ بہ سلسلہ ملازمت کبھی کراچی، کبھی لاہور رہتے ہیں لیکن گجرات سے گہرا تعلق اور رشتہ بنائے ہوئے ہیں۔ گجرات ان کی جنم بھومی ہے۔ گجرات کی ادبی محفلوں میں بھی شرکت کرتے رہتے ہیں۔ اُن کے بے شمار ناول ہیں جو زیادہ تر تاریخی، اصلاحی اور رومانی ہیں۔ نسیم حجازی کے بعد سب سے زیادہ تاریخی ناول لکھنے والے اسلم راہی ہیں جن کا طرزِ تحریر بڑا مرصع مسجّع اور مقفّی ہے۔ الفاظ کے چناؤ میں مہارت اور دلکشی اپنی مثال آپ ہے۔ تاریخ پر مہارت رکھتے ہیں اور اُس عکس کو قارئین کی آنکھوں کے سامنے لے آتے ہیں۔

اُن کے ناول نور الدین زنگی سے اقتباس درج ذیل ہے۔

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

"یہ صورتِ حال یقیناً سلطان نور الدین زنگی کیلئے لمحہ فکریہ اور پریشانی کا باعث تھی، آخر کار اُس نے مدینہ النبی ﷺ کے امراء اور اکابرین کو جمع کیا اور مخاطب کر کے کہنے لگا، مدینہ کا کوئی شخص ایسا تو نہیں جو کسی وجہ سے میرے کھانے میں شریک نہ ہو سکا ہو۔ سلطان نور الدین زنگی کے استفسار پر اللہ کا ایک بندہ اُٹھا اور نورالدین زنگی کو مخاطب کر کے کہنے لگا، اے سلطان! مدینہ کے لوگوں میں تو کوئی ایسا نہیں رہا جس نے اس دعوت میں شرکت کر کے کھانا نہ کھایا ہو، البتہ دو انتہائی بزرگ اور خدا رسیدہ زائرین کا تعلق مغرب سے ہے اور کچھ عرصہ یہاں مقیم ہیں اس دعوت میں شامل نہ ہوئے۔" (۱۳)

فخر زمان گجرات کے وہ نامور سپوت ہیں جنھوں نے ادب اور سیاست میں یکساں لوہا منوایا ہے۔ وہ ملک کے نامور سیاستدان ہیں جو وقتاً فوقتاً اہم عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ ادب میں نہ صرف گجرات اور پاکستان بلکہ دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی پہچانے جاتے ہیں۔ اُن کی کئی کتابوں پر پی ایچ ڈی اور ایم فل کے مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ اُن کی کتابیں مارشل لاء دور میں ضبط بھی ہوئیں، جن پر ۱۸ سال بعد پابندی اُٹھی۔ اُن کے ناول اور کتابیں کئی ممالک میں نصاب کے طور پر پڑھائی جاتی ہیں۔ ناول نگاری اُن کا خاص موضوع ہے۔ اردو، پنجابی ناول لکھتے ہیں اور ترجمہ کے میدان میں بھی مہارت رکھتے ہیں، اُن کے پنجابی ناول زیادہ مشہور ہوئے جن میں "ست گواچے لوگ" قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد اور سندھ یونیورسٹی کے نصاب میں شامل رہا ہے۔ فخر زمان کے ناولوں کا اسلوب جدیدیت کا رنگ لئے ہوئے ہے، جن میں حسیت اور معاشرے کی مروج نظریات سے بغاوت نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ فخر زمان نے ناولوں میں زندگی کا انت پانے کی کوشش کی ہے۔ ایک دوسری جگہ فخر زمان تحریر کرتے ہیں۔

"زندگی کبھی نہیں مرتی کیونکہ زندگی کا نام عشق ہے اور عشق کو کبھی کسی نے مرتے نہیں دیکھا۔ اگر عشق مرا ہوا ہو تو شاید قیامت آجائے۔" (۱۴)

"عورت نے بدبودار گندے پانی کی اُن پر قے کرتے ہوئے کہا آؤ بہادر! چُپ کر کم ذات، وہ سب بولے۔ آؤ سورماؤ۔ عورت نے پیٹ کو دبا کر تمام بدبودار پانی کی بوچھاڑ مردوں کے منہ پر دے ماری۔ چاروں غصے سے باولے ہو گئے۔ تمہاری یہ اوقات کم ذات۔" (۱۵)

فخر زمان کا ناول "تو کہ میں" کسی ایک دیس ایک شہر یا ایک گاؤں کی کہانی نہیں بلکہ یہ داستان دنیا بھر کے ملکوں، شہروں اور دیہات کی ہے، یہ علامتی مجرد انداز میں لکھا گیا ناول ہے، جس میں تقسیم، سرحدوں، کھنچاؤ، نفرت،

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

محبت اور امن کو موضوع تحریر بنایا گیا ہے، جس شخص کی کہانی کو بیان کیا گیا ہے وہ اللہ لوک ہے۔ مگر مصنف کے خیال میں وہ بڑا سیانا اور عقلمند ہے کہ معاشرے کے بعض اوقات زیادہ عقلمند بھی کملے اور سودائی بن کر درس محبت کا پرچار کرتے ہیں۔

"دل ہی دل میں کہنے لگا میں فرد واحد نہیں، میرے کئی روپ ہیں۔ میں ایک جسم میں پانچ کا مرکب ہوں۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر خود کلامی کے انداز میں بولا میرے ایک ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں۔ پھر اُس نے چُھنگلی انگلی کو پکڑا اور کہا، یہ دوستی ہے، دوسری انگلی پکڑی اور کہا، یہ امن ہے۔ اُس نے تیسری انگلی پکڑی اور کہا، یہ شانتی ہے۔ چوتھی انگلی پکڑی اور پکارا یہ محبت ہے۔ آخر میں اُس نے انگوٹھا پکڑا اور کہا، یہ خیر بخش یعنی خیر ویعنی میں ہوں۔"(۱۶)

گجرات کی معروف ناول نگار ثریا ملک شمع سیاسی و سماجی حیثیت سے متحرک ہونے کے ساتھ ساتھ ادب کے حوالے سے بڑا معتبر نام ہے۔ انہوں نے گجرات کے ادبی حلقوں میں اپنی کاوشوں اور سیمابیت کو منظوم انداز میں پیش کرنا شروع کیا۔ افسانہ نگاری کے ساتھ ساتھ اُن کے ناول کو مقامی ادبی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ کئی ادبی محفلوں میں زیر نظر ناول تعبیر کے اقتباس پیش کرتی رہی ہیں۔ وہ ایک انسان دوست اور درد دل سے آشنا لکھاری ہیں۔ جو زندگی کے جمود انداز قبول کرنے سے انکاری ہیں اور خوشگوار تبدیلی چاہتی ہیں۔ ثریا ملک شمع گجرات کی پہلی ناول نگار ہونے کا اعزاز بھی رکھتی ہیں، گویا معاشرے کی جوانیوں کے دکھوں کی زبان سننے کی سعادت بھی انہیں حاصل ہے۔ ناول تعبیر میں مصنفہ نے افرادی شکست وریخت کا اجتماعی تصور پیش کیا ہے۔ ان کا مشاہدہ عمیق اور وسیع ہے، سماج کی نقاب کشائی کے ساتھ ہی جذبوں کی رونمائی پر بھی دسترس رکھتی ہیں، وہ شگفتہ طرز تحریر کی مالک ہیں۔ مختلف انسانوں کے دلوں کی پیچ در پیچ نفسیاتی گرہیں نوک قلم سے کھولتی چلی جاتی ہیں۔

"رات کی تاریکی گہری ہوتی گئی۔۔۔ اور ان تاریکیوں میں دلوں کی تاریکیوں نے بھی جگہ نکال لی۔۔۔ منشی جی کے گھر کا کمرہ، ہلکے لیمپ کی روشنی میں سفید بستر۔۔۔ رات کی مدھر تانوں سے بے خبر۔۔۔ اپنے آپ کو ایک دوسرے میں جذب کرتے ہوئے دو جسم۔۔۔ اور بہتا ہوا وقت۔۔۔ شناسائی کے پردے میں لعنت کا جنازہ علم لئے ہوئے نکل گیا۔۔۔ گل بے حد شرمسار، تعبیر غم کی تھی گہرائیوں میں ڈوب گئی۔۔۔ گم سُم!"(۱۷)

پروفیسر زہیر کنجاہی نے جہاں شاعری کی تمام اہم اصناف میں اپنا لوہا منوایا ہے وہیں نثر کے میدان میں بھی جھنڈے گاڑے ہیں۔ اُن کے ناول ارادت میں محبت کی کہانی بیان کی گئی ہے جس میں ہونے اور نہ ہونے کے درمیان فاصلہ برقرار رہتا ہے۔ وہاں محبت کا تقدیس بھین محال رہتا ہے۔ ارادت میں شوخی شرارت، محبت کی چاشنی، ایفائے عہد، انسانی رشتوں کی پہچان، تاریخ، معاشرت، سماجیت، علم، رویہ غرض ہر ذائقے کی پہچان سے واقفیت ہے۔ "ارادت" میں زہیر کنجاہی یوں لکھتے ہیں۔

> "جب کسی قوم کی بدبختی آتی ہے تو قوم کے افراد ایک ایسے راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں، جس پر چل کر نئی نسل تباہ ہو جاتی ہے۔ نئی تہذیب اور موجودہ ترقی کا یہ مطلب نہیں، کہ ہم آنکھیں تو کھلی رکھیں کہ سامنے والا گڑھا نظر آجائے، شاید دیکھ کر ہم اپنے آپ کو گڑھے میں گرنے سے بچالیں۔ کنویں میں گرتے تو دیر نہیں لگتی، مگر اس سے باہر آنے کے لئے وقت، ایثار اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہے جو ہماری قوم میں نظر نہیں آتی۔" (۱۸)

بزم غنیمت کے پلیٹ فارم سے اُبھرنے والے نوجوان ظفر ادیب نے بھی فن ناول نگاری میں اپنا لوہا منوایا ہے، اُن کا ناول درد کے رشتے، معاشرتی رویوں کی لفظی تصویر ہے، ایسے رشتوں کی کہانی جو اپنے ہوتے ہوئے، غیر اور اُن عزیز از جان غیروں کی کہانی، جن کے سامنے خونی رشتے حقیر دکھائی دیتے ہیں۔ ظفر ادیب نے اپنے اس ناول میں معاشرتی ناہمواریوں کی طرف توجہ دلائی ہے، جس کا شکار یہ معاشرہ اُس وقت سے بنا ہوا ہے جب سے انسان نے مہذب زندگی میں قدم رکھا ہے۔ محبت ایک فطری تقاضا ہے جس میں طبقاتی کشمکش کوئی معنی نہیں رکھتی۔ یہ تو رب کائنات کی ودیعت کردہ حقیقت ہے، جس کے سامنے سارے جذبے سارے احساسات ماند پڑ جاتے ہیں، کہتے ہیں محبت اندھی ہوتی ہے، یہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے، وجہ چاہے کچھ بھی ہو لیکن طبقاتی اور معاشرتی فرق اس پر اپنا اثر چھوڑ جاتا ہے جس کے نتائج تباہ کن ہوتے ہیں، قلم کا رشتہ درد کے رشتوں کی طرح اٹوٹ ہوتا ہے، درد کی لہریں جب کاغذ اور قلم کے درمیان رشتہ جوڑتی ہیں تو درد کے رشتے جیسے خوبصورت ناول جنم لیتے ہیں۔ ظفر ادیب یوں رقم طراز ہیں۔

> "میں نگہت بھابی کے دل سے اُٹھتی ہوئی ٹیسوں کو اپنے دل میں محسوس کر رہی تھی۔ درد کے رشتے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں۔ دوسروں کا دکھ اپنا محسوس ہوتا ہے۔ دوسرے کی آنکھ سے

ٹپکتے ہوئے آنسو اپنے اپنے سے لگتے ہیں۔ میرا خیال ہے درد کا یہ رشتہ تمام رشتوں سے بڑھ کر اور تمام بندھنوں سے مضبوط ہوتا ہے۔" (۱۹)

ارشد چہال ۱۹۶۰ء میں سرائے عالمگیر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز بھی یہاں ہی سے کیا اور پھر اس کے بعد علم و ادب کی دنیا کی طرف رجحان بڑھا لیا اور پھر اس میں بہت نام کمایا۔ اب تک آپکے دو ناول زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں اور وہ " دھندے کوس اور پہاڑ گلی" ہیں۔ ارشد چہال کے ناولوں میں محبت کا عنصر بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کی طبعیت میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ان ناولوں میں شادی شدہ مرد کا عشق اور کالج و سکول کی لائف کی داستانیں یہ کہنے پر مجبور کرتی ہیں کہ تمام ناولوں کا مرکزی کردار ارشد ہی ہیں اور یہ ہی ان ناولوں میں دیکھا جاتا ہے۔ ناولوں کے تمام تر کہانیوں کا تعلق ہمارے معاشرے سے ہے۔" کامیاب کہانی کا اندازہ قاری کی دلچسپی سے لگایا جا سکتا ہے اور قاری کی توجہ حاصل کر لینا قاری کی پہلی کامیابی ہے۔ ارشد چہال کی کہانیاں ہمارے معاشرے سے چلتا پھرتا وہ کردار ہیں جنہیں ہم روز دیکھتے اور روز ان کے بارے سنتے ہیں مگر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان کو بڑے خوبصورت انداز میں قرطاس کی زینت بنایا ہے۔ ان کی کہانیاں پڑھنے والے بوجھل پن کا شکار نہیں ہوتے بلکہ اس نشست میں وہ سب کچھ پڑھنا چاہتے ہیں اور یہ ارشد چہال کی بحثیت ناول نگاری بہت بڑی کامیابی ہے۔ " دھندے کوس" سے اقتباس:

"گرمیوں کا موسم اور دوپہر کا وقت تھا۔ گاؤں بھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لوگ گاؤں سے باہر گندم کی فصل کاٹنے میں مصروف تھے۔ نسیم کی والدہ زمیندار کے گھر نوکروں کیلئے کھانا تیار کر رہی تھیں اور وہ گھر اکیلی تھی اور ریاض کیلئے سنہری موقع تھا اس نے دروازے پر جا کر دستک دی۔ نسیم نے سمجھا کہ اس کی والدہ آگئی ہے۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو ریاض کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ ریاض نے اس کا بازو پکڑ کر اس کو اندر لے جانے کی کوشش کی مگر نسیم کسی نہ کسی طرح بازو چھڑوا کر گھر سے بھاگ نکلی۔ مدد کیلئے اپنی ماں کو بہت آوازیں دیں مگر سناٹے میں صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔ گھبراہٹ اور بدحواسی میں وہ کنویں کے قریب جا پہنچی تھی اور ریاض نے اسے جالیا۔ ریاض کے ہاتھ میں صرف اسکا دوپٹہ رہ گیا اور نسیم کے جوان جسم کو کنویں کا کھلا منہ نگل گیا۔"(۲۰)

شیریں حیدر نے ابتدائی تعلیم گجرات میں ایک گاؤں بھدر سے حاصل کی پھر رشتہ ازدواج میں میجر مختار احمد سے منسلک ہو گئیں۔ بہت جلد ادبی دنیا میں اپنا نام روشن کر لیا۔ اب تک آپکے چار ناول زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں اور وہ "ایک محبت دو افسانے، تتلی، اوکاس بیل، شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں" ہیں۔ یہ سچ ہے کہ تخلیق کار ایک طرف کی عہد کا مصنف ہوتا ہے۔ وہ اپنے انصاف میں فرق نہیں آنے دیتا ہے اور نہ ہی اسکا روادار ہوتا ہے۔ یقیناً یہ عہد سازی کی زندہ کرامت ہوتی ہے۔ تخلیق کار بار کرامت ہوتا ہے۔ شیریں حیدر جب اپنے عہد میں ایک منجھے ہوئے انسان کے روپ میں سامنے آتی ہے تو اس کے قلم سے ایک بہت بڑا فیصلہ لکھا جا رہا ہوتا ہے۔ جسے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

زمانہ روند ہی نہ ڈالے یارو
ہمیں گر کر سنبھلنا ہی پڑے گا

ہمت اور استقلال کا وصف تخلیق کار میں زیادہ ہوتا ہے۔ وہ سچ کو زہر تاب کا ساغر سمجھ کر پیتا ہے۔ جس طرح سقراط نے اپنے شہنشاہ کے دربار میں جانتے بوجتے غٹا غٹ پی لیا تھا۔ اور آج تک دانائی اور جرات اپنے نام کروالی۔ سقراط کے اس کڑے فیصلے سے پہلے کسی نے ایسا فیصلہ تھا؟ تاریخ انسانیت گواہ ہے کہ اس کے پہلے کسی نے فیصلہ کن مؤقف نہ اختیار کیا تھا۔ نہ اس پر کاربند رہنے کا عندیہ دیا تھا۔ یہ تو سقراط ہی تھا جس نے فیصلہ کیا قائم رہا اور جان دے دی۔ سب لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ سچائی رہتی دنیا تک سقراط کے نام رہے گی۔ جس نے زہر کا پیالہ پی لیا اور فیصلے سے نہ ہٹا۔ تخلیق کار کے ذہن کے آٹھ کروے ہوتے ہیں۔ دنیا میں تمام دوسرے بڑے لوگوں کے شہنشاہوں کے سات کروے ہوتے ہیں۔ شیریں حیدر ایسا تخلیق کار ہے جو فن کی زبان میں بات کرتا ہے۔ فنکارانہ انداز میں بات کرتی ہے۔ یہ اسکا بڑا اپن ہے۔

بقول افضل راز:

> "سچ یہ ہے کہ ناول نگاری یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس میں وہ تمام جذبوں کو سمیٹ کر سامنے لایا جا سکتا ہے جو فطری جذبوں کی زبان رکھتے ہیں۔ شیریں حیدر بہت بڑی تخلیق کار ہیں۔ وہ چابکدستی سے ایسے فن کا اظہار کرتی ہیں جو اس کی سادگی اور سلامت کو بھی برقرار رکھتی ہے اور تخلیق کو لازوال کر دیتی ہے۔ یہی بڑا معتبر قانون ہے جو پوری انسانی مہذب دنیا کیلئے میگنا کارٹا کے قانون سے کم نہیں ہے۔" (۲۱)

تتلی سے اقتباس:

"ایسی خبریں عام چھپی رہتی ہیں روز کی طرح میں اسے نظر انداز کر دیتا۔ لیکن اپنے گاؤں کا نام دیکھ کر میں چونک پڑا۔ خبر پڑھ کر میں نے سکون کا سانس لیا۔ جہاں اسے پڑھ کر مجھے حیرت ہوئی وہاں خوشی بھی ہوئی۔ واقع بزرگ سچ کہتے ہیں اللہ کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ یہ میرا گاؤں ہے چاروں طرف پھیلے سرسبز کھیتوں میں ایک آباد ویرانہ۔ کسانوں اور مزارعوں کے جھونپڑی نما کچے مکان تنگ کوڑے سے بھری گندی گلیاں۔ ننگ دھڑنگ میں کودتے بچے جابجا خاک۔ دھول اور ویرانی میں سر پھٹکتے بگولے۔ گاؤں کے مغربی سرے پر مکانوں سے ذراہٹ کر کنواں، کنویں سے پانی نکالتی عورتیں، محنتی جسم، زمیندار کی شاندار بڑی حویلی کچے ڈبہ نما جھونپڑی سے الگ گلبرگ کے "باہمت باصلاحیت" افراد کی کوٹھیوں کے مقابلے میں کم تر مگر اس ماحول میں زمیندار کی حویلی شہنشاہ کے محل کا مقام رکھتی ہے۔" (۲۲)

علی محسن سید گجرات کے ایک محلہ مدینہ سیداں میں پیدا ہوئے۔ آپ ۱۲ جنوری ۱۹۷۱ء کو سید مقصود حسین کے گھر میں پیدا ہوئے۔ آپ اب فیصل آباد میں رہائش پذیر ہیں۔ عمر کے آغاز سے ہی اردو ادب میں قدم رکھ لیا اور اس میں بہت نام کمایا۔ ان کی ناول نگاری کی طرف ایک نظر ڈالیں تو یہ ایک ایسے جھرنے کی مانند دیکھائی دیتے ہیں جس کے تیز اور شفاف پانی میں اپنا عکس دکھائی دیتا ہو یا پھر ان کے بقول میں نہیں جانتا ناول کیا ہے اور کسے کہتے ہیں میں تو یہ جانتا ہوں واقعہ حق ہو یا ناحق ہو وہ میرے دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

ان کے الفاظ سے انکی گہری سوچ کی عکاسی ہوتی ہے یا پھر یوں کہنا چاہیئے کہ انکے قلم میں وقت کے جگنو چمکتے ہیں اور جب یہ اندھیرے میں روشنی کرتے ہیں تو قاری کی زندگی کا مثبت پہلو ہیروں کی طرح سے جڑنے لگتا ہے۔ ان کی شخصیت ان کی ناول نگاری سے عیاں ہے کیونکہ یہی فطرت انسانی ہے۔ علی محسن کی تحریروں سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقام پر ہمیشہ کھڑے رہیں گے۔

بقول فصیح اللہ جرال:

"علی محسن سید ایسے ناول نگار کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں جن کی ناول نگاری کا مقصد قصے کہانیوں کو زندگی کا روپ دینا ہی نہیں ہے بلکہ مسائل کو حل کرنا ہے اور قاری آغاز سے آخر

تک دلچسپی قائم رہتی ہے اور زندگی پر گہری سوچ ڈالنے کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔"(۲۳)

علی محسن کے ناول سے اقتباس

"اس میں اور کچھ کہنے کی ہمت نہ تھی جیسے جیسے سورج نکل رہا تھا اس کی شام ہو رہی تھی دن کا عروج آ رہا تھا اور اسکا وقت زوال اسے اپنی زندگی کا مختصر نظر آ رہا تھا جیل کی سلاخوں سے اسے پہلی بار وحشت نہیں ہو رہی تھی اسے معلوم تھا کہ وہ انھیں ہمیشہ کیلئے الوداع کہنے والی ہے۔" (۲۴)

محمد الیاس جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ ادب کی دنیا میں آپکا مقام بہت اعلیٰ ہے۔ بہت کم عمری سے ہی آپ نے ادب کی دنیا میں اپنا قدم جمایا اور بہت اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ اب تک ان کے بہت سے ناول زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ جیتی جاگتی زندگی کا مطالعہ اور مشاہدہ ہر حساس قاری کے قلب و نظر کو آشوب آگہی کا زہر اب ضرور پلاتا ہے اور یہی آگہی اسے زندگی کی تصویریں بنانے اور تعبیریں سوچنے کی راہ گزاروں پر آبلہ پائی کر گردنوائی کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ محمد الیاس کا شمار بھی حساس لوگوں میں آتا ہے اور دنیائے تجربات اور حوادث کی شکل میں انھیں عطا کیا ہے وہ اسے مسلسل سینہ قرطاس پر رقم کرتے ہوئے لوٹا رہے ہیں۔ ان کی ذات کی نزاکیتی اور خوبصورتیاں ان کی تحریروں میں یوں نظر آتی ہیں کہ اس کے گلرنگ آئینے میں ان کی ہستی اپنی طرحداریاں دینے لگتی ہے کہ اردگرد اس نور سے اختیار ہو جاتا ہے۔ ان کے ناولوں میں سادگی اور سلاست ہمراہی میں زندگی کا ایک پورا عمیق فلسفہ بلورے لینا نہ صرف اپنے سوردروں کو کہنے جاتا ہے بلکہ اردگرد میں وہ رعنائی خیال رقصاں کیئے جاتا ہے۔

بقول احسان فیصل:

"محمد الیاس اپنے افسانوں میں ماضی کی حسین یادوں کو مسکن سمجھتے ہیں اور اعلیٰ معاشرتی اقدار کو ماضی کے حوالے سے سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید اسی لیئے ان کے ہاں ماضی حیات انسانی کا ایک کاوش رنگ دریچہ ہے۔ جس سے تازہ ہوا کے جھونکے آتے ہیں۔ یوں ماضی کی خوشبو حال کی زبوں حالی اور بدصورتی سے نجات کا راستہ بناتی ہوئی ایک طرحدار مستقبل کی تعمیر و استواری کی راہیں متعین کرتی ہے۔ ان ناولوں میں ایک طرف

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے زندگی کے مسائل در پیش ہیں اور دوسری طرف انسانی مسائل کو سامنے لانے کی کاوش ہے۔" (۲۵)

محمد الیاس کے ناول "کہر" سے اقتباس:

"جب ہم لکڑی کے پل سے واپس آرہے تھے اچانک مشال آئی وہ پانی میں گرنے لگی اور ڈوبنے لگی۔ میں چلایا سب اسے دیکھنے لگے میں تیرنا نہیں جانتا تھا اچانک کسی نے پانی میں چھلانگ ماردی وہ اسکی طرح لپکا اور اسے باہر نکالنے لگا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی ہم وقت ضائع کیئے بغیر اسے اسپتال لے گئے۔" (۲۶)

مظفر محمد علی ۱۵ جون ۱۹۵۲ء کو گجرات میں فضل احمد کے گھر میں پیدا ہوئے۔ کم عمری ہی سے ادب میں قدم جمایا اور بہت نام کمایا۔ ان کے ناول کے اکثر کردار عشق و محبت کی مجسم تصویریں ہیں۔ محبت کے سفر میں رومان پسند افراد کی طرح ان کے ناولوں کے کردار بھی ہجر ووصال کے دکھ سہتے ہیں۔ بعض کردار خوابوں کی تلاش میں سرگرداں سرابوں میں بھٹکتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کردار محبت اور عشق کے جذبے سے سرشار سماج کی بے بہری کا شکار بھی ہوتے ہیں اور ناامیدی اور مایوسی کے اندھیروں میں ٹھوکریں بھی کھاتے ہیں لیکن جذبہ محبت کی روشنی میں اپنا راستہ تلاش کرنے کی سعی تسلسل میں دیوانہ وار آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ جدائی اور ملاپ کا یہ سلسلہ ناولوں میں بہت دلچسپی پیدا کرتا ہے۔ عشق اور محبت کو موضوع بنانے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے مسائل سے چشم پوشی نہیں کی۔ ان کے بعض ناولوں میں ہماری روزمرہ زندگی کے موضوع بھی ملتے ہیں جن کے باعث معاشرے میں برائیاں جنم لیتی ہیں۔ مظفر علی کے بعض ناولوں کا مطالعہ کر کے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کی عدم تحفظ کا شکار ہیں جس کی وجہ سے وہ بغاوت پر اتر آتے ہیں۔

بقول احسان فیصل کنجاہی:

"مظفر کے ناولوں پر ایک نظر ڈالی جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے انہوں نے اپنے ناولوں کے مواد کی تلاش اپنی ہی ذات سے کی ہے مگر ان واقعات کو کسوتی پر پورا کرنے کیلئے ناولوں کے لوازمات کا بھی خیال رکھا ہے۔ قاری ان کی قلم کا تاثر محسوس کرتا ہے اور وہ شروع سے آخر تک اپنی ہی زندگی کے اتار چڑھاؤ کو دیکھتا ہے۔" (۲۷)

مظفر محمد کے ناول "حاجی مراد" سے اقتباس

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

"میرے خیالات کا تسلسل بے جی کی بات پر ٹوٹا ہے وہ کہہ رہی تھی کہ اے بیٹیا کس سوچ میں پڑ گئی؟ کیا تجھے بھی پاکستان کا راستہ معلوم نہیں ہے؟ مجھے اس سوال نے بڑا بے بس کر دیا جس پاکستان کی آپ بات کر رہی ہیں اس کا راستہ میں تو کیا کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔ جنہیں معلوم تھا اب وہ بھی بھلا چکے ہوں گے۔" (۲۸)

سید جواد حسین ۲۷ فروری ۱۹۹۵ء کو جلالپور جٹاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہاں ہی سے حاصل کی۔ آپ نے ایف۔ ایس۔ سی پنجاب کالج گجرات سے کی۔ لفظوں سے کھیلنے کا شوق انہیں شروع ہی سے تھا۔ ان کا قلم مختلف اصاف پر اٹھتا نظر آتا ہے ان کا ادبی ناول "گمنام عشق" نے اپنا بہت نام کمایا۔ سید جواد کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جو کہ ناصرف محبت کا حصول لوگوں کے دلوں میں کرتے ہیں بلکہ ان کی عقیدت لوگوں کی آنکھوں میں بھی نظر آتی ہے۔ آپ کی ناول نگاری میں انسانی جذبات کی شدت بھی ہے اور ٹھہراؤ بھی کیا غلط ہے یا درست اسکا تناسب بھی وہ کون سے راستے ہیں کہ جن پر چل کر انسان فلاح کا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ محبت کی دائمی تاثر بھی ان کے ناولوں کا حصہ نظر آتی ہے۔

بقول افضل زار:

"زیر نظر کتاب کا موضوع بھی عشق ہے۔ یقیناً یہ موضوع اسے انفرادیت سے ہم کنار کرتا ہے۔ "گمنام عشق" جواد کی پہلی تحریری کاوش تھی جو ان کے ذوق کی آئینہ دار ہے۔ غیر محسوس انداز میں اس نے ناول کے جملہ عناصر ترکیبی کو برتنے کی کوشش کی ہے۔ بلاشبہ وہ اس کاوش پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔" (۲۹)

گمنام عشق سے اقتباس:

"صبح میں نے نعمان کو کال کر دی اس نے کہا تیاری کر لو ایک ہفتہ کے بعد تمہیں باہر جانا ہو گا وہ ہفتہ میرا اچھا گزرا کیونکہ مجھے امید تھی کہ جب کامیاب ہو کر لوٹوں گا تو مشال مجھے لینے آئے گا اسی خیال نے دل کو سکون بخشا مگر ماما بیمار تھیں میں انہیں حوصلہ دیتا رہا اور آخر کار وہ دن آ گیا جب مجھے روانہ ہونا تھا۔" (۳۰)

سید یاسر جواد لکھنوال میں پیدا ہوئے۔ آپکے والد کا نام زین العابدین ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گجرات سے ہی حاصل کی۔ آپ نے بہت کم عمری سے ہی ادب میں اپنا بہت نام کمایا۔ اب تک آپ کے بہت سے افسانے

زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ جن میں "گوری (ناول الجیت کور)، پہلی اداسی (ناول الجیت کور)" ہیں۔ آپ نے متعدد کتابوں کے تراجم بھی کیئے جن کی تعداد ۸۷ ہے۔ یاسر جواد کی تصانیف ایک ایسے سمندر کی مانند ہیں جس میں جتنا اتر جائیں اتنا کم ہے۔ اس میں موجود جتنے معلومات کے، مشاہدات کے، تجربات کے موتی چنے جائیں اتنے ہی کم ہیں جب ان کے الفاظ سمندر میں بے بسی بے تاب موجوں کی طرح آنکھوں کو چھوتے ہیں تو ایک گہری سوچ جنم لیتی ہے ایسی سوچ جس میں صرف اور صرف احساس ہے۔ محبت کا احساس جو ابد سے ہے اور ازل تک رہے گا۔ ان کی تحریریں جہاں زندگی سے قریب ترین ہیں وہاں ان کی تحریروں میں ایک گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان کے جذبات اور احساسات کی نمائندگی بھی ہوتی ہے ان کی تحریریں قاری کے دماغ میں گہری لکیریں کھینچ لیتی ہیں۔

بقول عارف علی میر:

> "سید یاسر جواد ناول نگاری میں ایک عام انسان کی تصویر پیش کرتے ہیں جو غم اور خوشی کو ساتھ لیئے چلتا ہے وہ انسانوں کا میل انسانوں سے کرواتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں زندگی سے ربط ہے مگر ان کے قلم سے لفظوں کی تلاش کبھی ختم نہیں ہوتی جہاں یہ تلاش کم عمری میں جاری ہوئی وہ آج تک جاری ہے مگر نہ سوچ پر پہرے لگے اور نہ ہی تلاش ختم ہوئی اور یہی زندگی کا حاصل ہے۔" (۳۱)

سید یاسر جواد کے ناول "فالتو عورت" سے اقتباس

> "اسکا اندازہ کسی اور کو نہیں ہو سکتا جو مائیں بیوہ ہو جاتی ہیں ان میں مسائل سے نمٹنے کیلئے مردوں سی ہمت ہے بیٹے کے جوان ہوتے ہی اسے فوج بھرتی کروا دیا۔ ایک ماں نے جس اولاد کیلئے اپنی جوانی اور خواہشات قربان کرکے باپ بن کر پالا ہو وہ کامیاب ہو جائیں تو اس سے بڑھ کر کیا خوشی ہوگی جیسے کمہار مٹی گوند کر برتن پکا کر دیکھتا ہے۔"(۳۲)

ظہیر عباس بھٹی ۱۹۵۳ء کو اسلام گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ایف۔اے تک تعلیم حاصل کی۔ ڈسپنسری کورس کیا بمعہ لیبارٹری کورس۔ اور پھر بھاگوال نزد ٹانڈہ میں اپنی پرائیویٹ لیبارٹری چلا رہے ہیں۔ ظہیر عباس نے ۲۰۱۲ء میں اردو ناول "محبت ہو تو ایسی" شائع کیا جو دراصل ناول نگار کی اپنی سوانح حیات کا ایک قصہ ہے۔ انکا شعری مجموعہ بھی عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

ظہیر عباس کے ناول سے اقتباس

"کبھی بھی کہیں زندگی میں کسی بھی چند کی ضرورت ہوئی تو مجھ سے ضرور مانگیے گا۔ مجھے خوشی ہوگی کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا میں نے آج تک آپکو نہ کسی دھوکے میں رکھا ہے اور نہ رکھنا چاہتی ہوں اپنے سے زیادہ پرواہ ہے آپ کی مجھے۔۔۔۔۔۔۔ زندگی تو جیسے تیسے گزر ہی جاتی ہے کیا پتہ بہت کم حصہ باقی ہو میری غلطیوں کو تاہیوں کو تہہ دل سے معاف کر دیجئے گا۔" (۳۳)

ظفر اقبال آصف ضلع گجرات کے قصبے کنجاہ میں ۴ ستمبر ۱۹۷۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام چوہدری غلام محمد تھا۔ آپ کا قلمی نام ظفر ادیب ہے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اسلامیہ ہائی سکول کنجاہ سے حاصل کی۔ اس کے بعد زمیندار ڈگری کالج گجرات سے ایف۔ ایس۔ سی کی۔ اسی دوران آپ نے اردو شاعری میں طبع آزمائی شروع کر دی اور مشاعروں میں جانا شروع کر دیا ساتھ ہی ساتھ افسانہ اور ناول میں بھی اپنے قلم کے جوہر دکھائے۔ آپ کے افسانے مختلف رسائل میں گاہے بگاہے چھپتے رہے۔ گجرات کے مختلف اخبارات میں اصلاحی فیچر لکھنا آپ کا معمول بن گیا۔ کچھ عرصہ آپ بسلسلہ روزگار سعودی عرب میں مقیم رہے۔ جب آپ کی وطن واپسی ہوئی تو پھر ادبی محافل میں جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آپ کنجاہ کی دو مقبول انجمنوں کے جنرل سیکرٹری رہے (بزم غنیمت کنجاہ کے جنرل سیکرٹری رہے) اور پھر اس کے (بزم شریف کے جنرل سیکرٹری مقرر رہے) گجرات سے نکلنے والے ایک ماہنامہ سفیر کے مدیر بھی رہے۔ ماہنامہ انٹرنیشنل "اپنا کنجاہ" کے ایڈیٹر رہے۔ آپ نے جو بھی لکھا چاہے وہ کالم کی صورت میں ہو یا افسانہ ناول کی صورت میں آپ کا مقصود ہمیشہ اصلاحِ معاشرہ ہی رہا۔

ظفر ادیب کے ناول "درد کے رشتے" سے اقتباس

"۲۳ دسمبر کی صبح بارش ہونے کی وجہ سے ٹھنڈک کچھ زیادہ محسوس ہو رہی تھی میں گرم کمبل کو لپیٹ کر لیٹی ہوئی تھی اور یادوں کے بے خزاں رسیدہ پتوں کی طرح میرے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے بادل کی گھن گرج مجھے موسم برسات کے ان دنوں کی یاد دلا رہی تھی جب میں اور امجد اکٹھے بیٹھ کر موسم کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے امجد ٹھنڈ لگنے کا بہانہ کر کے مجھ سے لپٹ جاتا اور میں اس کی بانہوں میں چھوئی موئی کی طرح شرما کر سمٹ جاتی۔ وہ کہتا! عروج یہ برسات مجھے اچھی لگتی ہے کیونکہ دھل کر ہر چیز کتنی نکھری نکھری اور نئی محسوس ہوتی ہے۔ وہ شرارت سے میری طرف دیکھتا اور کہتا! بالکل

تمہاری طرح۔ میں شرما کر نظریں جھکا لیتی۔ ہم دونوں کے خیالات اور چوائس میں کتنی ہم آہنگی تھی کبھی کبھی میں سوچتی کہ خدا نے ہم دونوں کو صرف ایک دوسرے کے لیے تخلیق کیا تھا۔"(۳۴)

ہم کہہ سکتے ہیں کہ گجرات میں ناول نگاری نے انسانی رشتوں کو اور زندگی کی حقیقتوں کو پوری طرح برتا ہے۔ اور گجرات کے ناول نگاروں نے انسانی احساسات اور رویہ جات کو اپنے ناولوں میں جگہ دے کر ادب کے اندر اپنا الگ ہی مقام حاصل کر لیا ہے۔ گجرات کے ناول نگاروں کے نزدیک ناول اور زندگی کی حقیقتیں آپس میں لازم ملزوم ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، اردو ناول میں سماجی شعور، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۰، ص ۸۷

۲۔ مشتاق احمد وانی، ڈاکٹر، تقسیم کے بعد اردو ناول میں تہذیبی بحران، ایجوکیشنل پبلشرز ہاوس، دہلی، ۲۰۰۳، ص ۱۵۳

۳۔ صغیر افراہیم، ڈاکٹر، اردو فکشن تنقید اور تجزیہ، ریڈر شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ۲۰۰۱، ص ۲۷

۴۔ عبد اللہ حسین، اداس نسلیں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵، ص ۵۸

۵۔ ایضاً، ص ۵۸

۶۔ عبد اللہ حسین، اداس نسلیں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵، ص ۸۳

۷۔ ممتاز احمد خاں، ڈاکٹر، اردو ناول، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۷، ص ۹۹

۸۔ اسلوب احمد انصاری، اردو ناول، اردو کے پندرہ ناول، علی گڑھ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۱۹۹۲، ص ۱۸۵

۹۔ عبد اللہ حسین، نادار لوگ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹، ص ۲۵۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۴۰

۱۱۔ جاوید زمان سوز، ڈاکٹر، پھول چنتی رہی، سیٹھ آدم جی عبد اللہ، لاہور، ۱۹۴۴، ص ۹۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۹۵

۱۳۔ اسلم راہی، ایم اے، نور الدین کی زندگی، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۵، ص ۳۱۳

۱۴۔ فخر زمان، کم ذات، کلاسک پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۴، ص ۱۰

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۳

۱۶۔ فخر زمان، تُو کہ میں، کلاسک پرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۵، ص ۲۲

۱۷۔ ثریا ملک شمع، تعبیر، اعوان پبلشرز، گجرات، ۱۹۹۷، ص ۶۲

۱۸۔ زہیر کنجاہی، پروفیسر، ارادت، ادارہ فروغ ادب پاکستان، سرگودھا، ۲۰۰۶، ص ۱۸۰

۱۹۔ ظفر ادیب، درد کے رشتے، بزمی پبلی کیشنز، کنجاہ، ۲۰۰۴، ص ۴۲

۲۰۔ ارشد چہال ، دھندلے کوس ، دوست پبلی کیشنز ، اسلام آباد ، ۱۹۹۸ ، ص ۵۲۰

۲۱۔ افضل راز (انٹرویو)، مدثر اقبال، گجرات، مارچ

۲۲۔ شیریں حیدر، تتلی، علم و عرفان پبلشرز ، لاہور ، ۲۰۱۳ ، ص ۱۲۰

۲۳۔ فصیح اللہ جرال (انٹرویو)، مدثر اقبال، گجرات، اپریل

۲۴۔ علی محسن سید ، خمری ، مثال پبلشرز ، فیصل آباد ، ۲۰۰۸ ، ص ۱۴۹

۲۵۔ فیصل کنجاہی (انٹرویو)، مدثر اقبال، گجرات، مارچ

۲۶۔ محمد الیاس ، کہر ، سنگ میل پبلشرز ، لاہور ، ۲۰۱۰ ، ص ۲۵

۲۷۔ احسان فیصل کنجاہی (انٹرویو)، مدثر اقبال، گجرات، جون

۲۸ ۔ مظفر محمد علی ، حاجی مراد ، مکتبہ شاہکار، لا ہور ، ۱۹۸۰، ص ۲۲

۲۹۔ افضل راز (انٹرویو)، مدثر اقبال، گجرات، مارچ

۳۰۔ سید جواد حسین ، گمنام عشق ، پی ٹی بی ایم پبلشرز ، ٹانڈہ، گجرات ، ۲۰۱۷ ، ص ۱۳

۳۱۔ عارف علی میر (انٹرویو)، مدثر اقبال، گجرات، اپریل

۳۲۔ سید یاسر جواد ، فالتو عورت ، فکشن ہاؤس ، لا ہور ، ۱۹۹۳ ، ص ۲۰۸

۳۳ ۔ ظہیر عباس بھٹی ، محبت ہو تو ایسی ، روزن پبلشرز ، گجرات، ۲۰۱۲ ، ص ۲۵

۳۴۔ ظفر ادیب ، درد کے رشتے، سنگ میل پبلشرز ، لاہور ، ۲۰۱۲ ، ص ۱۷۶